اقبال: ابتدائی شعری اور نثری تخلیقات کے آئینے میں

(Iqbal: In the Light of Early Poetic & Prose Creations)

DOI: https://doi.org/10.54692/nooretahqeeq.2023.07042080

ڈاکٹر زینت افشاں
Dr. Zeenat Afshan
Assistant Professor, Department of Urdu
Ferdral Urdu University, Islamabad

Abstract:
Allama Iqbal is known for his unique style, diction and philosophy as shown in his verse and prose. His early day's poetry and prose show a clear path on which he developed his philosophical and revolutionary stance later on. His poetry and prose articles created up to ۱۹۰۸ needs to be analyzed separately keeping in view the specific relationship between them. This correlation discovers continuity in thought and philosophy during entire creative career of Allama Iqbal. This analysis and study reveal the fact that Iqbal from his early days was thinking about these great goals for which he later made efforts.

Keywords:
Allama Iqbal, Iqbal's Poetry, Iqbal's Prose, Urdu Poetry, Urdu Literature, Revolutionary Poetry.

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ شاعر پیدائشی طور پر شاعر ہوتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ جس جملے کو شہرت حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ یا تو کوئی شخص شاعر ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔ یہ تمام دعوے یا کلیے اپنی جگہ درست بھی ہو سکتے ہیں مگر اس حقیقت کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا کہ جو بھی شاعر ہو، وہ اوائل عمری سے ہی موزوں طبیعت کا حامل ہوتا ہے اور سن شعور کو پہنچنے تک مصرع اور شعر موزوں کرنا شروع کر دیتا ہے۔ ایسا ہی معاملہ علامہ محمد اقبال کے ساتھ بھی ہے۔ کہا گیا:

"علامہ اقبال سکاچ مشن ہائی اسکول میں زیر تعلیم تھے کہ ان کی شاعری کا آغاز ہوا۔"(۱)

جب وہ کالج کے درجے میں پہنچے تو ان کی غزلیں مختلف گلدستوں اور رسالوں کی زینت بننے لگیں۔ اس زمانے کا

کلام جس قدر مل سکا ہے باقیات اقبال اور سرود رفتہ وغیرہ جیسے مجموعوں میں شامل کر دیا گیا ہے۔ دو چار غزلیں کس قدر نظر ثانی کے بعد بانگ درا میں بھی شامل کی گئی ہیں۔ ۱۹۰۰ء سے پہلے تک علامہ اقبال صرف غزل گوئی تک محدود تھے۔ شاعری میں انھوں نے داغ دہلوی سے اصلاح لی، بعد میں جلد انھوں نے یہ کہہ دیا کہ:

"شاعر کے کلام میں اصلاح کی گنجائش نہیں ہے لہٰذا انھیں اصلاح کے لیے غزل بھیجنے کی ضرورت نہیں۔"(۲)

"شذرات اقبال" اور "ملفوظاتِ اقبال" کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ اقبال نے عربی، فارسی اور انگریزی شاعروں کے کلام کا غائر مطالعہ کر رکھا تھا۔ اردو میں وہ غالب دہلوی سے متاثر تھے۔

انیسویں صدی کے ربع آخر میں اردو شاعری میں نظم نگاری کا آغاز باقاعدہ طور پر ہو چکا تھا۔ کرنل ہالرائیڈ کی تحریک پر مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا الطاف حسین حالی نے انگریزی شاعری کے زیر اثر نظمیں کہنی شروع کی تھیں بلکہ انجمن پنجاب کے زیر اہتمام ہر ماہ تنقیدی لیکچرز اور موضوعاتی / طرحی نظموں کے مشاعروں / نظمانوں کا آغاز بھی ہو چکا تھا۔ (اس انجمن کے فورم سے طرح مصرع دینے کے بجائے نظم کے لیے موضوع دیا جاتا تھا اور شعرا کو مذکورہ موضوع پر نظم کہنا ہوئی تھی۔ انجمن پنجاب کے ریکارڈ سے ایسے سترہ مشاعروں کا پتا ملتا ہے۔) کارروائی رجسٹر میں یہ بھی درج ہے کہ ہر مشاعرے میں کون کون سے شاعر شریک ہوئے۔"(۳)

ان شعرا میں حالی اور آزاد سے زیادہ معروف کوئی نہ تھا۔ آزاد شعر گوئی برعکس نثر نگاری میں مسلمہ پایہ رکھتے تھے۔ وہ نثر میں شاعری کرتے تھے اور شاعری میں نثر لکھتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے تو کچھ بے جا نہ ہو گا کہ وہ اول و آخر ایک انشا پرداز اور مسلم الثبوت ادیب تھے۔ جب کہ مولانا حالی نے اپنے کلام کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ایک دور انجمن پنجاب سے ماقبل کا ہے، کہ جیسے حالی زمانۂ جاہلیت کا دور کہتے ہیں، دوسرا اور آخری دور انجمن پنجاب کے زیر اثر ان کی نظم گوئی کا دور ہے۔ اس دور میں، مثنوی مدوجزر اسلام، اور چند نظموں کے علاوہ، کوئی بھی چیز اتنی اہمیت کی حامل نہیں کہ جو مولانا حالی کے شایان شان ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ تاریخی حوالے سے نظم گوئی میں انھیں زمانی تقدم حاصل ہے۔

اقبال نے پہلی نظم "ہمالہ" کے عنوان سے کہی، جو مخزن کے پہلے شمارے میں نکلی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی پہلی نظم میں ہی کچھ ایسے خطوط موجود ہیں، جو آگے چل کر ان کے روشن مستقبل کی نوید دے رہے ہیں۔ اگر ہم بانگ درا کے پہلے دو حصوں کا مطالعہ کریں تو پتا چلتا ہے کہ ان میں اکثر و بیشتر نظمیں فطرت اور مظاہر فطرت سے متعلق ہیں لیکن ان نظموں میں فطرت کی عکاسی خارجی عوامل کے ساتھ باطنی رویوں کی غماز بھی ہے۔ اس دورانیے میں انھوں نے کئی انگریز شعرا کے تراجم کیے اور کئی ایک نظموں کے مرکزی خیال انگریز شعرا سے مستعار لیے ہیں لیکن یہ ترجمہ نگاری اور اخذ و استفادہ محض تقلید تک محدود نہیں۔ انھوں نے مغربی روایات کی تصویر کشی کے بجائے مغربی اسلوب اظہار میں مشرقی

روایات کو سمو دیا ہے۔

وہ اردو نظم کے پہلے شاعر ہیں کہ جن کی نظم ان کے مشرقی تہذیب و تمدن کی ترجمان ہے۔ انگریزی شاعری میں ورڈز ورتھ کو شاعر فطرت (Poet of Nature) کہا جاتا ہے۔ اس نے حسن فطرت کے بوقلموں عناصر کی خوب صورت تصویر کشی کی ہے۔ علامہ اقبال ابتدائی دور میں ان سے بے پناہ متاثر تھے بلکہ انھوں نے ایک آدھ جگہ کہا بھی ہے کہ:

"اگر میں ورڈزورتھ (Words Worth) کو نہ پڑھتا تو دہریہ ہو جاتا، یعنی مجھے دہریت سے ورڈورتھ نے بچایا ہے۔"(۴)

لیکن اس پس منظر میں اگر ہم ان دونوں شاعروں کے کلام کا مطالعہ کریں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ فطرت نگاری میں ورڈز ورتھ کی حیثیت محض ایک فوٹو گرافر کی ہے، جب کہ اقبال ایک مصور ہے۔ اس کی نظمیں الفاظ سے بنائی گئی خاموش تصویریں نہیں بلکہ ان میں زندگی کے ہنگامے دکھائی دیتے ہیں۔ فطرت اور مظاہر فطرت کے حوالے سے ان کی تمام تر نظموں کو دیکھا جائے تو شاید ہی کوئی نظم پہلے دو حصوں میں کوئی تیس (۳۰) کے قریب قریب نظمیں فطرت نگاری کے حوالے سے موجود ہیں لیکن ہر نظم کا اختتام ایک پیام / فلسفے پر ہوتا ہے۔ چند ایک نمونے ملاحظہ ہوں:

گھٹنے بڑھنے کا سماں آنکھوں کو دکھلاتا ہے تو
ہے وطن تیرا کدھر؟ کس دیس کو جاتا ہے تو
ساتھ اے سیارۂ ثابت نما لے چل مجھے!!
خار حسرت کی خلش رکھتی ہے اب بے کل مجھے
نور کا طالب ہوں گھبراتا ہوں اس بستی میں میں
طفلک سیماب پا ہوں مکتب ہستی میں میں(۵)

*****

یہ پریشانی مری سامان جمعیت نہ ہو
یہ جگر سوزی چراغ خانۂ حکمت نہ ہو
ناتوانی ہی مری سرمایۂ قوت نہ ہو
رشک جام جم مرا آئینۂ حیرت نہ ہو
یہ تلاش متصل شمع جہاں افروز ہے
توسن ادراک انساں کو خرام آموز ہے(۶)

*****

میں اچھلتی ہوں کبھی جذب مہ کامل سے
جوش میں سر کو پٹکتی ہوں کبھی ساحل سے
ہوں وہ رہرو کہ محبت ہے مجھے منزل سے
کیوں تڑپتی ہوں، یہ پوچھے کوئی میرے دل سے
زحمت تنگیٔ دریا سے گریزاں ہوں میں
وسعت بحر کی فرقت میں پریشاں ہوں میں(۷)

بانگ درا کے پہلے دو حصوں میں تہتر (۷۳) نظمیں اور تیرہ (۱۳) غزلیں شامل ہیں۔ ان نظموں اور غزلوں میں اقبال کے فکر و فلسفہ کے وہ بنیادی خطوط موجود ہیں، جو بعد میں نمایاں تر ہو کر سامنے آئے ہیں۔ ان افکار و نظریات کی ایک موضوعاتی فہرست ملاحظہ ہو:

۱. معاشی اور سماجی رجحان
۲. مغربی تہذیب کا حقیقت پسندانہ جائزہ اور اس پر کڑی تنقید
۳. نظریہ وطنیت اور لادین سیاست میں اسلامی تصور قوم کی تعبیر
۴. فلسفۂ خودی
۵. ملی رجحان کے ابتدائی نقوش
۶. غیر اسلامی نظریوں پر کاری ضرب

(۲)

علامہ اقبال نے ۱۹۰۳ء میں معاشیات کے موضوعات پر "علم الاقتصاد" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی۔ معاشی احوال و عوامل پر اردو زبان میں لکھی جانے والی یہ پہلی کتاب ہے۔ زمانی تقدم کے علاوہ، اپنے مندرجات کی بنا پر بھی یہ کتاب بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ دیباچے میں علامہ اقبال نے لکھا ہے کہ:

> "غریبی قوائے انسانی پر بہت برا اثر ڈالتی ہے بلکہ بسا اوقات انسانی روح کے مجلا آئینے کو اس قدر زنگ آلود کر دیتی ہے کہ اخلاقی اور تمدنی لحاظ سے اس کا وجود و عدم برابر ہو جاتا ہے۔ اپنی موجودہ اقتصادی حالت کو سنوارنا ہماری تمام بیماریوں کا آخری نسخہ ہے اور اگر یہ نسخہ استعمال نہ کیا گیا تو ہماری بربادی یقینی ہے۔"(۸)

معاشی اور اقتصادی عوامل پر علامہ اقبال کی نظر بہت گہری ہے انھوں نے کتاب میں فلسفۂ جدید کے قانون بقائے حیات کا ذکر بڑی شرح و بسط کے ساتھ کیا ہے۔ انھوں نے اکثر انگریز ماہرین معاشیات سے اختلاف بھی کیا ہے۔ مثلاً مشہور ماہر معاشیات

واکر سے انھوں نے قانون بقائے حیات کے حوالے سے صرف اختلاف ہی نہیں کیا بلکہ مدلل حوالوں سے اس نظریے کی تردید بھی کی ہے۔ واکر کا خیال تھا کہ یہ قانون (بقائے حیات) صرف حیوانوں تک محدود ہے مگر اقبال کی رائے میں

> "یہ جبھی ممکن ہے کہ تمام انسان بھائیوں کی طرح زندگی بسر کریں مگر عملاً ایسا نہیں ہے۔ اس واسطے جو اجنبیت اور غیریت حیوانوں میں موجود ہے، وہی مختلف قوموں کے درمیان بھی پائی جاتی ہے۔"(۹)

اقبال نے اس کتاب میں از اول تا آخر حقائق علمی کی وضاحت کے لیے موزوں، متین اور سنجیدہ اسلوب تحریر اختیار کیا ہے مگر کہیں کہیں ان عقلی اور علمی استدلال کے باوجود جذباتی انداز بھی در آیا ہے۔

اس کے علاوہ وہ ان کی دوسری تصنیف انگریزی میں ہے۔ بنیادی طور پر ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے، جس پر انھیں میونخ یونی ورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی سند فضیلت دی گئی۔ اس مقالے کا موضوع ہے:

The Development of Metaphysics in Persia

اس کتاب میں علامہ اقبال نے اسلامی تصوف اور عجمی تصوف کے بین السطور موجود فضا کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ تصوف کی تاریخ میں پہلی بار انھوں نے عجمی تصورات کی آمیزش کی بات کی ہے۔ اگرچہ ان سے پہلے مختلف صوفیائے کرام اپنے اپنے ادوار میں بعض نظریات کے خلاف اپنے افکار پیش کرتے رہے ہیں لیکن ان کا مقصد محض اپنے مکاشفاتی تجوبوں کو محفوظ کرنا تھا۔ وہ کسی بھی نظریے کے مالہ وماعلیہ سے بحث نہیں کرتے تھے لیکن اقبال نے اپنی اس کتاب میں مختلف النوع متصوفانہ رویوں کو اسلامی اصول و قوانین کی روشنی میں پرکھا ہے اور ان کا مدلل جائزہ لیا ہے۔

فلسفۂ عجم میں انھوں نے وحدۃ الوجودی و شہودی اثرات کا جائزہ اس انداز سے سپرد قلم کیا ہے کہ ان نظریات کے مندرجات اور اثرات پہلی بار کھل کر سامنے آئے ہیں۔ زمان و مکان کو اسلامی فلاسفی میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ (خود اقبال The Reconstruction of Religious Thoughts in Islam میں اسے موت اور حیات سے تعبیر کرتے ہیں) اس مہتم بالشان مسئلے کی صحیح تعبیر پیش کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تقدیر اور اختیار کے موضوعات بھی زیر بحث آئے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اقبال خطوط، مضامین اور Six Lectures میں دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے اس مقالے میں وحدت الوجودی فکر کو رد کیا ہے۔ بعد میں جب انھوں نے اپنے فلسفۂ خودی کو متعین و مرتب صورت میں پیش کیا ہے تو تمام وحدۃ الوجودی صوفیا سے اختلاف بھی کیا ہے۔ اسرار خودی کے ضمن میں ہندوستان میں بڑی بحثیں ہوئیں۔ اصل مقصد اقبال کا وحدۃ الوجود سے اختلاف تھا۔ تفصیل کے لیے اکبر الہ آبادی کے خطوط اور خواجہ حسن نظامی کے مضامین دیکھے جاسکتے ہیں۔

(۳)

۱۹۰۸ء تک علامہ اقبال نے چھے مختلف موضوعات پر مقالے سپرد قلم کیے، جو مخزن یا بعض دوسرے رسائل کی زینت بنے۔ ان کی زمانی تفصیل ملاحظہ ہو:

i.	بچوں کی تعلیم و تربیت	۱۹۰۲ء
ii.	زبان اردو	۱۹۰۲ء
iii.	اردو زبان پنجاب میں	۱۹۰۲ء
iv.	قومی زندگی	۱۹۰۴ء
v.	اقبال کے دو خطوط ایڈیٹر وطن کے نام	۱۹۰۵ء
vi.	خلافت اسلامیہ	۱۹۰۸ء

ویسے تو یہ تمام مضامین اپنے مندرجات کی اہمیت اور افادیت کی بنا پر خاصے کی چیز ہیں لیکن ان میں دو مضامین "قومی زندگی" اور "خلافتِ اسلامیہ" بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ ان دو مضامین میں انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کی مفصل بازگشت ان کے مابعد کی تحریروں، تقریروں اور شعر و ادب میں ملتی ہے۔ ان مضامین کا ایک مختصر سا جائزہ حسب ذیل ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ ۱۹۰۸ء تک اقبال کے فکر و فلسفہ میں کون کون سے عناصر موجود تھے اور بعد میں ان کی ارتقائی صورت کیا رہی۔

اقبال کا پہلا مضمون بچوں کی تعلیم و تربیت سے متعلق ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے لکھا ہے کہ اگر بچے کی تعلیم اور تربیت میں اخلاقی اور تہذیبی عناصر تعلیم کو مدنظر نہ رکھا جائے تو قوم کی بنیاد:

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

کے مصداق ہی بنے گی کیوں کہ پھر اس قوم میں اخلاقی اور مثبت تمدنی آثار پیدا ہو ہی نہیں سکتے۔ علامہ اقبال قوم کی تشکیل و تعمیر میں بچوں کی تربیت کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک:

> "معلم قوم کے محافظ ہیں کیوں کہ آئندہ نسلوں کو سنوارنا اور ملک کی خدمت کے قابل بنانا انھیں کی قدرت میں ہے۔ سب محنتوں سے اعلیٰ درجے کی محنت اور سب کارگزاریوں سے زیادہ بیش قیمت کارگزاری ملک کے معلموں کی ہے۔ اگر ان کے دم قدم سے علم کا ایک سچا جذبہ پیدا ہو جائے تو قوم معراج کمال تک پہنچ سکتی ہے۔"(۱۰)

۲۔ زبانِ اردو، ڈاکٹر وانٹ برجنٹ (Want Bergent) کے انگریزی مضمون کا ترجمہ ہے، اس مضمون میں ڈاکٹر برجنٹ نے تاریخی عوامل کے ساتھ اپنے ان تاثراتی رویوں کو بھی جگہ دی ہے، جن کی بدولت اردو نے اقوام مغرب کو اپنا

گرویدہ بنا لیا ہے۔ یہ مضمون سر عبد القادر کی فرمائش پر ترجمہ کیا گیا ہے۔ مخزن میں شایع کرتے وقت انھوں نے اس مضمون پر حسب ذیل نوٹ تحریر کیا ہے:

> "ڈاکٹر وانٹ برجنٹ صاحب نے، جن کو السنہ مشرقیہ کے ساتھ بالخصوص دلچسپی ہے۔ انگریزی زبان میں ایک مختصر سا مضمون اردو زبان پر لکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا علم و فضل ہماری تعریف کا محتاج نہیں، ان کی عالمانہ گفتگو اور وسیع ہمدردی کو اگر صیاد خلق کہا جائے تو ہر طرح سے زیبا ہے۔ اس مضمون کے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ اردو زبان کے بانکپن نے مغربی فضا کو بھی اپنا گرویدہ کر لیا ہے، ہماری درخواست پر ہمارے دوست شیخ محمد اقبال ایم اے، جنہیں اس مضمون کی کاپی ڈاکٹر صاحب موصوف نے تحفتاً دی تھی، اسے ناظرینِ مخزن کے لیے ترجمہ کر کے بھیجتے ہیں۔"(۱۱)

۳۔ تیسرا مضمون "اردو زبان: پنجاب میں"۔۔۔ مخزن میں جاری ایک بحث کا اختتامی مضمون ہے، اس بحث کا محرک وہ اہل زبان شعرا تھے، جو آئے دن پنجاب کے اردو شعرا پر طنز کرتے تھے، ان کی زبان کو اردو نہ مانتے تھے۔۔۔ اگر وہ اہل پنجاب کی زبان کو اردو نہیں مانتے تھے، تو اردو کے شعرائے پنجاب کو شاعر کہاں جانتے ہوں گے؟

خیر اقبال نے اپنے اس مضمون میں اس غلطی کا محاکمہ کیا کہ "پنجاب والوں کو اردو میں دسترس نہیں" انھوں نے اہلِ زبان علاقوں مثلاً دہلی اور لکھنؤ کے اختلافات کو پیش کیا کہ جہاں ایک لفظ کو مختلف انداز سے بولا اور برتا جاتا ہے یا دہلی کا مذکر لکھنؤ میں مونث ہے وغیرہ وغیرہ۔ سر عبد القادر نے علامہ اقبال کے مضمون پر بحث کا اختتام کیا اور لکھا:

> "(اس مضمون میں) جس تحقیق سے شیخ محمد اقبال صاحب نے کام لیا ہے وہ قابلِ داد ہے اور اسے اس بحث کا خاتمہ سمجھنا چاہیے۔"(۱۲)

۴۔ ۱۹۰۸ء تک لکھے گئے مضامین میں سب سے اہم مضمون " قومی زندگی " ہے اس کے بارے میں ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی رقمطراز ہیں کہ:

> "(اس مضمون میں اقبال نے) تمہیداً دور حاضر کے انقلابات کا ذکر کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ موجودہ علمی انکشافات اور سائنسی ترقی کی وجہ سے انسانی تہذیب و تمدن میں جو انقلاب رونما ہوا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ پس ماندہ قومیں اپنی بقا کے لیے نئے نئے سامان بہم پہنچائیں۔ بعد ازاں فلسفہ ارتقا کے ایک اصول "تنازع للبقا" پر روشنی ڈالی ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ دیگر انواع مثلاً حیوانات و نباتات کی طرح انسان کی فنا و بقا کا انحصار محض قدرتی اسباب پر نہیں ہے۔ انسان کو ایسی قوتیں عطا کی گئی ہیں کہ وہ ہر انقلاب و تغیر

کے لوازم پر غور کر کے بقائے حیات کے سامان بہم پہنچاتا ہے۔ اس نظری بحث کے بعد اقوام عالم میں سے دو قدیم اقوام کی بقا اور دو جدید اقوام کی ترقی کے اسباب بیان کیے ہیں۔ قدیم اقوام میں سے بنی اسرائیل[۱] اور پارسی[۲] قوم۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دو قوموں نے انقلاب زمانہ کے تقاضوں کو سمجھا اور صنعت و تجارت کے وسائل اختیار کر کے حالات کا مقابلہ کیا۔ جدید اقوام میں جاپانیوں[۱] اور انگریزوں[۲] کی ترقی کے اسباب پر گفتگو کی ہے لیکن افسوس ہے کہ ان کے مقابلے میں ہندوستان اپنی تاریخی عظمت اور قدرتی وسائل کے باوجود ذرا ذرا سی بات میں اقوامِ غیر کا محتاج ہے۔"(۱۳)

۵۔ یہ مضمون نما تحریر دو خطوں پر مشتمل ہے۔ جو وطن کے ایڈیٹر کے نام اقبال نے انگلستان سے لکھے ہیں۔ ان میں اپنے سفر کے احوال و آثار اور مغرب میں زندگی کی رفتار کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

۶۔ ۱۹۰۸ء تک لکھے گئے مضامین میں سے آخری مضمون "خلافتِ اسلامیہ" ہے۔ اس میں انتخاب خلیفہ کے طریقِ کار کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے تصور قوم پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اس مضمون میں جو مندرجات مختصراً آئے ہیں۔ ان کا تفصیلاً ذکر علامہ کے آخری مضمون "مسلمان اور جغرافیائی حدود ۱۹۳۸ء" میں ملتا ہے۔ جو انھوں نے مولانا حسین احمد مدنیؒ کے رد میں لکھا۔

علامہ اقبال یورپی تصورِ قوم کے برعکس اسلامی تصور قومیت پر یقین رکھتے تھے، انھوں نے پوری تصور قوم کو بڑی شدت کے ساتھ رد کیا اور ان مسلمان علما پر بھی شدت کے ساتھ تنقید کی کہ جن کا نظریہ تھا کہ "قومیں وطن سے بنتی ہیں" بانگِ درا میں اقبال نے اپنی دو نظموں میں اسلامی تصور قومیت کا خوب صورت اظہار کیا ہے، ملاحظہ ہو:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومی رسولِ ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی(۱۴)

*****

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے
غارت گر کاشانۂ دینِ نبویؐ ہے

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے(۱۵)

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ:

"اس دور کی شاعری کے ساتھ ساتھ ان نثری تحریروں کو پیشِ نظر رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ ہمیں کچھ اندازہ ہو سکے کہ وہ شاعر جو اپنی فلسفیانہ بلند نظری اور صوفیانہ وسیع المشربی کے زیرِ اثر یہ کہتا ہے کہ:

"نسلِ انساں قوم ہے مری، وطن میرا جہاں"

کسی موہوم خیالی دنیا یا یوٹوپیا (Utopia) کی باتیں نہیں کرتا بلکہ حقیقی زندگی کے ٹھوس مسائل پر بھی گہری نظر رکھتا ہے۔ اس کا بلند پرواز تخیل فلک پیما ہے لیکن اس کا قدم زمیں فرسا بھی ہے:

تھی حقیقت سے نہ غفلتِ فکر کی پرواز میں
آنکھ طائر کی نشیمن پر رہی پرواز میں"(۱۶)

گویا یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اقبال بہ یک وقت زمین کے ساتھ تو جڑے ہوئے ہیں مگر فلک الافلاک سے بھی مربوط ہیں۔ وہ مقامی تو ہیں مگر عالمی و آفاقی بھی ہیں کیوں کہ کوئی بھی تخلیق کار یا مفکر مقامی ہوئے بغیر آفاقی نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہی معاملہ ان کی شعری و نثری تخلیقات کے ساتھ ہے جیسا کہ ان کے شعر اور فکر کے ساتھ ہے۔ اصل حقیقت یہی ہے کہ ہمیں اقبال کی تفہیم کے لیے پورے اقبال کو پڑھنا ہو گا۔

حوالہ جات

۱۔ سید سلطان محمود حسین، ڈاکٹر، اقبال کی ابتدائی زندگی، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان؛ بار اول، ۱۹۸۶ء، ص:۲۸
۲۔ ایضاً، ص:۲۹
۳۔ عارف ثاقب، انجمن پنجاب کے مشاعرے، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، باول اول، ۱۹۹۵ء، ص:۱۱۴
۴۔ افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر (مرتبہ) شذراتِ اقبال، لاہور: بزم اقبال، ۱۹۷۳ء، ص:۲۷
۵۔ محمد اقبال، علامہ، بانگِ درا، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۸ء، ص: ۸۴
۶۔ ایضاً، ص: ۵۲۔۵۳
۷۔ ایضاً، ص:۶۲

۸۔ علم الاقتصاد بحوالہ عروجِ اقبال، لاہور: بزم اقبال، بار اول، ۱۹۸۷ء، ص:۱۷۹
۹۔ افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر، عروجِ اقبال، لاہور: بزم اقبال، بار اول، ۱۹۸۷ء، ص:۱۷۹
۱۰۔ عبد الواحد معینی، سید، مقالاتِ اقبال، لاہور: شیخ محمد اشرف تاجر کتب، بار اول، ۱۹۶۳ء، ص:۵
۱۱۔ ایضاً، ص:۹
۱۲۔ ایضاً، ص:۱۱
۱۳۔ افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر، عروجِ اقبال، ص:۱۸۲۔۱۸۳
۱۴۔ محمد اقبال، علامہ، بانگِ درا، ص:۲۴۸
۱۵۔ ایضاً، ص:۱۶۵
۱۶۔ افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر، عروجِ اقبال، ص:۱۸۴